نقش آغاز

متحدہ دینی محاذ

جمعیۃ علماء اسلام کے سیکرٹری جنرل مولانا سمیع الحق کی دعوت پر ۱۵ دسمبر کو اسلام آباد میں آل اسلامی پارٹیز کنونشن منعقد ہوا جس میں ۵۲ دینی جماعتوں کی نمائندگی کرتے ہوئے چاروں صوبوں سے جید علماء کرام، مشائخ عظام، زعماء ملت اور دانشوروں نے شرکت کی جس کے نتیجہ میں متحدہ دینی محاذ کا قیام عمل میں آیا اتحاد کے داعی حضرۃ مولانا سمیع الحق مدظلہ کو متفقہ طور پر متحدہ دینی محاذ کا کنوینر مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد لاہور، کراچی اور سرحد میں علی الترتیب متحدہ دینی محاذ کے زیر اہتمام کامیاب کنونشن منعقد ہوئے اور اب یہ سلسلہ ایک منظم تحریک کی شکل میں ملک کے تمام اضلاع اور گاؤں گاؤں تک پھیلے گا۔ محاذ کے اولین اجلاس سے خطبہ استقبالیہ میں اتحاد کے داعی مولانا سمیع الحق نے فرمایا:۔

"حکومت اور اپوزیشن دونوں اقتدار اور مفادات کی جنگ میں مصروف ہیں اور حال یا مستقبل میں دونوں سے اسلام کے بارہ میں کسی خیر اور بہتری کی توقع نہیں دونوں کا رویہ منافقانہ یا عملاً معاندانہ ہے نفاذ شریعت کی عظیم جدوجہد سبوتاژ کر دی گئی ہے اور اس کے لیے میدانِ عمل میں مصروف طاقتوں کا شیرازہ بکھر گیا ہے یا وہ تعطل اور جمود کے شکار رہیں ملک کے بے چین شہری عموماً اور اسلام سے وابستگی رکھنے والے مسلمانوں کی نگاہیں خصوصاً صرف دینی جماعتوں اور شخصیات کی طرف اٹھ رہی ہیں اور بار بار آزمائے گئے لادینی سیکولر سیاستدانوں اور منافق حکمرانوں سے مکمل مایوس ہیں اور سوچتے ہیں کہ آئندہ اس ملک کی دینی سیاست کا تحفظ کیسے ہوگا؟ پاکستان کا اسلامی تشخص کیسے قائم رہ سکے گا؟ حقیقی منزل، اسلامی انقلاب اور نفاذ شریعت کے لیے ہمیں اپنا کوئی الگ راستہ نکالنا ہوگا یا ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈستے رہیں گے اور اہل دین و دانش کو انہی لوگوں کا ضمیمہ بننا پڑے گا؟ یہ سب سوالات ہمیں دعوتِ فکر دے رہے ہیں اور مسلمانوں کی نگاہیں آپ پر لگی ہوئی ہیں۔"

ویسے دین کا بنیادی کام تو ایک عرصے سے ہو رہا ہے مگر جن حالات سے برصغیر کے مسلمان، عالم اسلام

عالم انسانی اور خود ہم پاکستانی گذر رہے ہیں ان حالات کے پیش نظر دینی قوتوں کے اتحاد اور خالص دینی اور اسلامی انقلابی تحریک کی شدید ضرورت تھی جس کے اولین مقاصد میں زندگی کے فاسد نظام کو بنیادی طور پر بالکل بدل دینا سرفہرست ہو مگر یہ کلی و اساسی تغیر صرف اسی طریق پر ممکن ہے جو انبیاء کرام اور حضرات صحابہ کرامؓ نے اختیار فرمایا تھا۔ "متحدہ دینی محاذ" اسی تحریک کی تشکیل اور ایک اہم ضرورت کی تکمیل ہے۔

اس اتحاد کی خبر اور دعوتِ اتحاد کا اثر جہاں جہاں بھی پہنچا ہے اس نے مردہ ضمیروں کو زندہ، مایوس اذہان کو پُر اُمید اور سوتے ہوئے ضمیروں کو بیدار کر دیا ہے مسلسل لادینی اتحادوں کی نحوست سے جو دینی حس کند ہو چکی تھی اب وہ پہلے سے کئی گنا تیز ہو چکی ہے، خالص دینی سیاست، دینی اتحاد، دینی تحریک اور دینی انقلاب اب احساس بنتا چلا جا رہا ہے بہت سے ارباب علم وسیاست اور رہنمایانِ قوم وملت کی فکری سوچ اور عملی لائحہ عمل میں اس احساس سے نمایاں تبدیلی ہو رہی ہے۔ اس دعوتِ اتحاد، محاذ کی ابتدائی تشکیل اور آغاز کار کا یہ نقد ثمرہ ظاہر ہو رہا ہے کہ بے مقصد سیاست کو بامقصد بنایا جا رہا ہے اور صرف مقصدِ سیاست ہی کو نہیں، بلکہ اصل مقصد تک پہنچنے کی راہ بھی واضح ہو کر سامنے آ رہی ہے مایوسی، خیالات کی پراگندگی اور لادینی سیاست کی یلغار سے دینی قوتوں کا اضمحلال دور ہو رہا ہے۔

فضول سیاسی اہداف، سیاسی اعمال، سیاسی جوڑ توڑ اور دور از کار سیاسی دلچسپیوں سے دل خود ہٹ رہے ہیں مسلمان کی عملی سیاسی زندگی کے حقیقی اور اہم ترین مسائل مرکز توجہ بن رہے ہیں فکر ونظر ایک منظم صورت اختیار کر رہی ہے اور ایک شاہراہ مستقیم پر حرکت کرنے لگی ہے غرض بحیثیت مجموعی وہ ابتدائی خصوصیات اچھی خاصی قابل اطمینان رفتار کے ساتھ نشوونما پا رہی ہیں جو اسلام کے بلند ترین نصب العین کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے اولاً لازماً مطلوب ہیں۔

محاذ کے قائدین سمیت تمام دینی قوتوں اور مخلص کارکنوں کو یہ بات نوٹ کر لینی چاہیئے کہ جو کام اس اتحاد کے پیش نظر ہے وہ کوئی ہلکا اور آسان کام نہیں ہے بلکہ اسے ملک کے پورے نظام زندگی کو بدلنا ہے اسے ملک کے اخلاق، سیاست، تمدن، معیشت، معاشرت غرض ہر چیز میں انقلاب لانا ہے ملک میں جو نظام حیات خدا سے بغاوت پر قائم ہے اسے بدل کر خدا کی اطاعت پر قائم کرنا ہے اور اس کام میں تمام شیطانی طاقتوں سے اسے جنگ کرنی ہے وہ بھی اس طرح کہ بیک وقت اسے کئی محاذوں پر لڑنا ہے اس کو اگر کوئی ہلکا کام سمجھ کر آئے گا تو وہ بہت جلدی مشکلات کے پہاڑ اپنے سامنے دیکھ کر اس کی ہمت ٹوٹ جائے گی۔ اس لیے ہر شخص کو قدم آگے بڑھانے سے پہلے خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ کس خار زار میں قدم رکھ رہا ہے یہ وہ

راستہ نہیں ہے جس میں آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹ جانا دونوں یکساں ہوں لہٰذا قدم اُٹھانے سے پہلے خوب سوچ لو جو قدم بھی بڑھاؤ اس عزم کے ساتھ بڑھاؤ کہ یہ قدم اب پیچھے نہیں پٹے گا جو شخص بھی اپنے اندر ذرا سی کمزوری بھی محسوس کرتا ہو بہتر ہے کہ وہ اس وقت رُک جائے۔

نفاذ شریعت اور اسلامی انقلاب کا ایک عظیم الشان مقصد اتحاد کے سامنے ہے اور جن زبردست طاقتوں کے مقابلے میں اسے اُٹھ کر اس مقصد کے لیے کام کرنا ہے اس کا اولین تقاضا یہ ہے کہ ہم میں صبر ہو تدبر اور معاملہ فہمی ہو اور اتنا مضبوط ارادہ موجود ہو جس سے ہم دور رس نتائج کے لیے لگاتار انتھک سعی کر سکیں بے صبری کے ساتھ ساتھ جلدی جلدی نتائج برآمد کرنے کے لیے بہت سے ایسے سطحی کام کیے جاسکتے ہیں جن سے ایک وقتی ہلچل برپا ہو جائے لیکن اس کا کوئی حاصل اس کے سوا نہیں ہے کہ کچھ دنوں تک فضا میں شور رہے اور پھر ایک صدمہ کے ساتھ سارا کام اس طرح برباد ہو کہ مدت ہائے دراز تک دوبارہ اس کام کا نام لینے کی بھی کوئی ہمت نہ کر سکے۔

اس میں شک نہیں کہ حسب ضرورت و بہ اقتضائے حالات متحدہ دینی محاذ کے پلیٹ فارم کے استحکام اور مزید پیش رفت کے لیے جو کچھ ہونا چاہیئے تھا اس کے لحاظ سے جو کچھ ہوا وہ بہت کم ہے اگر اس کمی کا احساس کسی شخص کو یا کسی گروہ اور جماعت کو مایوس ہو کر بیٹھ جانے پر آمادہ کرتا ہے تو اس کو متنبہ ہو جانا چاہیئے کہ اس قسم کے احساسات ہمیشہ نزغ شیطانی کا نتیجہ ہوتے ہیں اگر یہ احساس اس کو تلافی مافات کے لیے سعی و جہد پر اُبھارتا ہے تو اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور جو کچھ کمی وہ محسوس کرتا ہے اسے پورا کرنے کیلئے مستعدی کے ساتھ کام کرنا چاہیئے۔

اس موقع پر ہمیں یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ بعض حلقوں کی جانب سے خاموشی، سرد مہری، سوچ و فکر اور ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کے حقیقی اسباب کیا ہے، جب تجزیہ کیا جائے تو اسکی پہلی اور بنیادی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس ماحول اور جن حالات میں کام کرنے کے لیے ہم نے دینی قوتوں کے اتحاد اور خالص دینی سیاست کی جست لگائی ہے۔

صدیوں کے مسلسل انحطاط اور گذشتہ پنتالیس سالہ لادینی سیاسی خرافات نے قومی اخلاق کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں لوگوں میں خالص دینی کردار کی وہ طاقت بہت کم رہ گئی ہے جس کی مضبوط چٹان پر اٹل فیصلے، مستقل ارادے، ثابت عزائم اور بھروسے کے قابل عہد و میثاق قائم ہوتے ہیں مگر ہمارے ہاں مدت دراز سے سیاست

کے جو سانچے بنتے رہے ہیں وہ اخلاق وعادات، ذہنیتوں اور سیرتوں کو کسی اور رنگ ڈھنگ میں ڈھالتے رہے ہیں جو خالص دینی سیاست اور اسلامی اقدار کے تحفظ کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتے بشلاً ہمارے اندر مدت ہائے دراز سے یہ کمزوری پرورش پا رہی ہے کہ ہم ایک چیز کو حق جانتے ہیں اور دل سے اسے حق مانتے بھی ہیں مگر اس کے لیے کوئی قربانی گوارا نہیں کرتے نہ قوت کی، نہ مال کی، نہ خواہشات نفس کی، نہ مرغوب افکار و نظریات کی، نہ جاہلیت کے اذواق کی اور نہ ذاتی مفادات و دلچسپیوں کی۔ ہمیں وہ حق پرستی تو بہت اپیل کرتی ہے جس میں حق کو زبان سے حق کہنا اور اس پر لفظی عقیدتوں کے پھول نچھاور کرنا اور اس کے لیے چند نمائشی کام کر دینا کافی ہو مگر اس کے بعد ہمیں اس حق کے خلاف ہر طرح اپنے کاروبار اپنے ادارے اور اپنی زندگی کے سارے معاملات چلانے کی پوری آزادی حاصل رہے، ہم نمائشی ہنگاموں میں ایک عمر گذار سکتے ہیں مگر کسی ایثار طلب عہد کو سال دو سال بھی بمشکل نباہ سکتے ہیں قبل اس کے کہ ہم دینی اتحاد اور اس کے بنیادی مقاصد اور پیش نظر کام کی طرف کوئی بڑا قدم اٹھائیں ہمیں ان بوسیدہ سانچوں کو بہر حال توڑنا ہوگا اور نہایت صبر کے ساتھ پیہم سعی و جہد سے نئی سیرتیں، نئی ذہنیتیں نئی عادتیں نئی اخلاقی صفات اور خالص اسلامی سیاست کے اقدار و اطوار کو فروغ دینا ہوگا جو حقیقتاً نئی نہیں مگر سب کی سب پرانی ہیں مگر بدقسمتی سے آج ہمارے لیے نئی ہو گئی ہیں۔

• یوں تو اتحاد کے ارباب بست و کشاد سے بہت کچھ عرض کرنا ہے سر دست اتنی سی گذارش ہے کہ اتحاد کے کنونشنز اور اجتماعات میں خواہ کتنا ہی بڑا مجمع ہو مروجہ شور و غوغا، ہاؤ ہو، بھیڑ اور ہڑبونگ اور شور و ہنگامہ کی کیفیت کو کبھی بھی رونما نہ ہونا چاہیئے جس طرح دینی قوتوں کو اسلامی نقطہ نظر سے لادینی سیاسی ہتھکنڈے اور موجودہ سیاسی بگاڑ پر تنقید کرنے کا حق حاصل ہے اسی طرح ان کو بھی یہ دیکھنے کا حق حاصل ہے کہ ہم انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر کیسے رہتے ہیں کیا برتاؤ کرتے ہیں، کس طرح جمع ہوتے ہیں اور کس طرح اپنے اجتماعات اور سیاسی کاز کا انتظام کرتے ہیں۔

دوسری اہم اور اقدم صفت ہمارے اجتماعات باہمی مشاورتوں، جلسہ و جلوس (جب ضرورت ہو) اور اجتماعی نظم میں دیانت و امانت بالکل واضح اور ایک محسوس و مشہود شکل میں نظر آنی چاہیئے۔

تیسری اہم بات کہ اجتماعی نظم میں تمام قائدین میں بدرجہ اتم اس کا ظہور ہونا چاہیئے وہ یہ کہ نہ تو منصب کی خواہش کی جائے اور نہ کسی اہل آدمی کے آگے آنے میں مانع بننا چاہیئے اور نہ اپنی ذات اس عظیم اتحاد و تحریک کی ترقی اور اس کی بہتری کی راہ میں روڑا بننا چاہیئے، تاریخ کا میزان اتحاد کے داعیوں سمیت اس کے

تمام بہی خواہوں اور ہمدردوں کی ہمدردی کا اندازہ ان کے زبانی دعووں سے نہیں بلکہ اس محاذ کے لیے ان کی دعوت، کام اور جان و مال، جاہ و منصب، عہدہ و مقام اور وقت کے ایثار سے جانچے گا۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہر دورِ حکومت میں حکمران بھی اور اسی زمانہ کے حزبِ اختلاف کے سیاست دان بھی اسلام کی قبولیت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور اس کی پیروی کا بھی پھر اس کی ترویج و نفاذ کا وعدہ بھی کرتے ہیں اور اس پر اصرار و تکرار بھی۔ مگر ان کا رویہ اس کے بالکل برخلاف اور معاندانہ ہے جس دین کی پیروی کا وہ دعویٰ کرتے ہیں مگر عملاً اس کے قطعاً مخالف نظامِ زندگی کو اپنے اوپر حاوی و مسلط کئے ہوئے ہیں بلکہ اس پر راضی و مطمئن ہیں اس کو بدل کر اپنے دین کو اس کی جگہ قائم کرنے کی کوئی سعی نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس اسی فاسقانہ اور باغیانہ زندگی کو اپنے لیے سازگار بنانے اور اس میں اپنے لیے آرام کی جگہ پیدا کرنے کی فکر کر رہے ہیں۔

ہمارے نزدیک یہی طرزِ عمل سراسر منافقانہ ہے اس لیے کہ ایک نظامِ زندگی پر ایمان رکھنا اور دوسرے نظام میں رہنا بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں سچے اور مخلصانہ ایمان کا اولین تقاضا یہ ہے کہ جس طریقِ زندگی پر ایمان رکھتے ہیں اسی کو ہم اپنا قانونِ حیات دیکھنا چاہیں ہماری روح اپنی آخری گہرائیوں تک ہر اس رکاوٹ کے پیش آجانے پر بے چین و مضطرب ہو جائے جو اس طرزِ زندگی کے مطابق جینے میں سدِ راہ بن رہی ہو۔

آج ہماری سیاسی قیادت جس چیز کا زبان سے دعویٰ کرتی ہے عملاً اس کی سراسر خلاف ورزی کر رہی ہے اور یہ بھی تو نفاق اور تناقض ہے کہ آدمی کا عمل ایک معاملہ میں کچھ ہو اور دوسرے معاملہ میں کچھ اور۔

ہماری سیاسی قیادت ایک طرف خدا پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتی ہے دوسری طرف اسی نظامِ سیاست کی کارکن ہے جو شریعتِ الٰہی کو ایوانِ سیاست سے بے دخل کر کے شریعتِ غیر الٰہی کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے ایک طرف وہ مساجد میں جا جا کر نمازیں پڑھتے ہیں کلمہ پڑھ پڑھ کر اپنی اسلام پسندی کا ثبوت دیتے ہیں۔ دوسری طرف اپنے گھر کی زندگی، شادی بیاہ، لین دین، معاش کی فراہمی، دنیوی معاملات اور سیاسی تحریکوں میں خدا اور اس کی شریعت کو بھول کر کہیں اپنے نفس کے قانون کی، کہیں اپنی برادری کے قانون کی، کہیں اپنی سوسائٹی کے طور طریقوں کی، کہیں مغربی خدا بیزار نظریات و ترجیحات کی پیروی میں کام کر رہے ہیں ——

مروجہ سیاسی نظامِ کفر، دہریت، شرک، فسق و فجور اور بداخلاقی کی بنیادوں پر چل رہا ہے جس کے نقشے بنانے والے منکرین اور جس کا عملی انتظام کرنے والے مدبرین سب کے سب خدا سے پھرے ہوتے اور اس کی شرائع کے قیود سے نکلے ہوئے لوگ ہیں ...... بہرحال خدا کے باغی شیطان کے مطیع دنیا کے امام و پیشوا اور

منظم رہیں اور پھر دنیا میں فساد، ظلم، زیادتی، بداخلاقی اور گمراہی کا دور دورہ نہ ہو، یہ عقل اور فطرت کے خلاف ہے اور آج تجربہ و مشاہدہ سے " کالشمس فی نصف النہار " ثابت ہو چکا ہے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے —— پھر ہمارا مسلم ہونا، علم دین سے نسبت اور پھر جب متحدہ دینی محاذ بھی بن جاتے تو یہ خود اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم ائمہ ضلالت کی پیشوائی ختم کر دینے اور غلبۂ کفر و شرک کو مٹا کر دین حق کو اس کی جگہ قائم کرنے کی کوشش کریں۔

اگر دینی قیادت نے اتفاق و اتحاد کو برقرار رکھا، دین طلبی اور اسلامی انقلاب میں مخلصانہ اور مومنانہ کردار ادا کیا اور ان کے اجتماعی کردار میں پورے اسلام کا ٹھیک ٹھیک مظاہرہ ہونے لگا تو دینی سیاست پھر سے دنیا میں سربلند و سرخرو ہو کر رہے گی، خوف اور حزن، ذلت اور مسکنت، مغلوبی و محکومی کے سیاہ بادل قلیل عرصہ میں چھٹ جائیں گے ان کی دعوت حق و اتحاد اور سیرت صالحہ دلوں اور دماغوں کو مسخر کرتی چلی جائے گی ان کی ساکھ اور دھاک پھر سے دنیا میں بیٹھتی چلی جائے گی انصاف کی امیدیں ان سے وابستہ کی جائیں گی بھروسہ ان کی امانت و دیانت پر کیا جائے گا سند ان کے قول کی لائی جائے گی بھلائی کی توقعات ان سے وابستہ کی جائیں گی ائمہ کفر و ضلالت اور علمبرداران لادین سیاست کی کوئی ساکھ ان کے مقابلے میں باقی نہیں رہ سکے گی ارباب حکومت و سیاست کے تمام فلسفے، نعرے، تحریکیں، سیاسی و معاشی نظریئے ان کی سچائی اور راستبازی کے مقابلے میں چھوٹے ملمع ثابت ہوں گے جو طاقتیں آج بے دین سیاستدانوں کے کیمپ میں نظر آرہی ہیں ٹوٹ ٹوٹ کر دینی اتحاد کے کیمپ میں آتی چلی جائیں گی ایک وقت آئے گا جب صرف پاکستان کیا پوری دنیا میں اسلامی انقلاب کے ثمرات مرتب ہونے لگیں گے سرمایہ دارانہ ڈیموکریسی خود واشنگٹن اور نیو یارک میں اپنے تحفظ کے لیے لرزہ براندام ہوں گے، مادہ پرستانہ الحاد خود لندن اور پیرس کی یونیورسٹیوں میں جگہ پانے سے عاجز ہوگا نسل پرستی اور قوم پرستی خود برہمنوں میں اپنے معتقد نہ پاسکے گی اور یہ آج کا دور صرف تاریخ میں داستان عبرت کی حیثیت سے باقی رہ جائے گا کہ دینی قوتوں کے اتحاد اور اسلام جیسی عالمگیر و جہاں کشا طاقت کے نام لیوا کبھی اتنے بے وقوف ہو گئے تھے کہ عصائے موسیٰ بغل میں تھا اور لاٹھیوں اور رسیوں کو دیکھ کر کانپ رہے تھے۔

عبدالقیوم حقانی